عصری معاشی مسائل میں عرف کے اطلاقات

THE IMPLEMENTATIONS OF "URF" ON THE PRESENT-DAY ECONOMIC ISSUES / PROBLEMS

محمد تبسم رضا * پروفیسر ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس **

Abstract:
"Commonly used urf and routine matters have their own importance in human life. In Islamic jurisprudence, there are many cases in which examples of matter urf based rulings are found.
Although the number of juristic orders and issues regarding worship is very limited, the routine habit is given importance in this case. Regarding purification, the commandments about economic, there are so many problems in which routine habit is also considered . In this way there are many examples of routine habit other than worship issues in Islam. The article addresses the same issues.
Change is a defined phenomena in human life. Societies change with the passage of time. The world has become a global village due to scientific inventions.Every quality which is liked by reason and which satisfies the conscience is called urf and the action which is done by people perpetually with all the reason and experience and is considered correct naturally is called Urf.
Actually every custom is being adopted due to its burning need and Islam is the perfect religion to meet the needs and requirements of the people. An effort has been made to define and explain Urf' its validity and impact on economy of Islam in the following article. "

Key words: Research Methodology, Holy Quran, Sunnah, Macro Economics, Discussions, Jurists.

اس میں شک نہیں کہ اسلام ایک عالمگیر اور ہمہ گیر دستور حیات ہے یہ وہ دین ہے جو ہر زمانہ کے حالات اور تقاضوں سے مطابقت رکھتا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں کے احکام کا جامع ہے اور ہر شعبہ زندگی سے متعلق اسلام میں ہدایات موجود ہیں۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کسی بھی ملک و قوم کی ترقی و خوشحالی ایک بہترین نظام معیشت پر مبنی ہے۔ ایک پائیدار اور مضبوط معاشی نظام کے بغیر کسی مملکت کی ترقی اور بقا کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ دورِ جدید کی سائنسی اور علمی ترقی نے معیشت کے اندر ایک انقلاب برپا کر دیا ہے جس کی بدولت معاشی دوڑ دھوپ کی

* پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر شعبہ علوم اسلامیہ جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

** پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

رفتار میں انتہائی تیزی آگئی ہے۔ روایتی معاشی لین دین اور طور طریقوں کی بجائے نت نئے طریقوں کو اپنایا جارہا ہے جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سائنس وٹیکنالوجی کی بدولت بنی نوع انسان کی زندگی پر سکون بن گئی ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے جدید ترقی کے اس دور میں سہولیات کے ساتھ ساتھ بے پناہ مسائل نے بھی جنم لیا ہے حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر معاشی معاملات طے کیے جاتے ہیں۔ معیشت کے حوالے سے آزادانہ طرز فکر اور خود ساختہ طرز عمل نے پوری دنیا کے اندر اپنی جڑیں مضبوط کر رکھی ہیں اور سودی لین دین کے بغیر معاشی ترقی کو ناممکن تصور کیا جارہا ہے۔ لیکن الحمد للہ مسلم ممالک کے علماء و دانشور حضرات نے ان حالات کا بھرپور احساس کرتے ہوئے علمی اور عملی میدانوں میں امت مسلمہ کی رہنمائی کی ہے اور اسلامی نظام معیشت کو اجاگر کرنے اور پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ دورِ جدید کے تقاضوں اور تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسلامی معیشت کے اندر علمی و تحقیقی کام کو مزید وسعت دی جائے اور علمی میدانوں میں اسلامی معیشت کو پروان چڑھانے کی کوششوں کو تیز تر کیا جائے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ شریعت کے اندر عرف و رواج کو بھی بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب عالم میں بھی اسے بنیادی حیثیت حاصل تھی مثلاً رومی قوانین کی تاریخ میں بھی قانون کا اصلی مآخذ عرف و رواج ہی تھا سب سے پہلے رسم و رواج کو بارہ تختیوں پر لکھا گیا۔[1]

عرف اور اسلام

زمانہ تبدیلی کا دوسرا نام ہے یہ آگے بڑھا جاتا ہے اور اس کے ارتقاء میں مکان و زمان کی تبدیلی بھی ہم رکاب ہوتی ہے جو قوم حالات کی تبدیلی کا ساتھ نہیں دیتی زمانہ اسے پلٹ کر نہیں دیکھتا اور نہ بے رحم رفتار میں اس کی خاطر کوئی کمی کرتا ہے جیسا کہ مشہور ہے:

''من جهل باهل زمانه فهو جاہل''[2]

(جو آدمی اپنے اہل زمانہ سے واقف نہ ہو تو وہ جاہل ہے۔)

زمانہ کے ساتھ چلنا دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ اس کی تبدیلیوں کا خاموشی سے ساتھ دیا اور جہاں گرائے وہاں گر جانا گوارا کر لیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس پر ایک چابک دست شہسوار کی طرح جم جائے اور عقل و حکمت کی لگام اپنے ہاتھ میں رکھے تاکہ پر خطر موقع پر بچتا بچاتا چلا جائے شریعت نام ہے قانون کا جو ہر دور میں ایک نیا روپ دھارتا ہے اور دین اس کی وہ روح ہے جو کبھی نہیں بدلتی ہر دور کے لیے الگ الگ احکام ہوتے ہیں ہر دور میں ایک ہی حکم نہیں چل سکتا۔

فقہ اسلامی کے بہت سے معاملات و شعبہ جات میں عرف و عادت پر مبنی احکام کی مثالیں ملتی ہیں معاملات کے شعبہ میں سب سے زیادہ ایسے احکام پائے جاتے ہیں جن کی بنیاد عرف و عادت پر ہوتی ہے معاملات میں عقوبات، مناکحات اور مالیات بڑے شعبہ جات ہیں انفرادی سطح سے لے کر بین الاقوامی معاملات تک ہر جگہ رواجی قانون کا عمل دخل عملاً نظر آتا ہے۔

عرف کی تعریف

عرف سے مراد وہ عادت اور طریقہ ہے جس کو عام طور پر قبولیت کی سند حاصل ہو جاتی ہے۔ عرف کی تعریف کرتے ہوئے امام جرجانی لکھتے ہیں:

''العرف ما استقرت النفوس علیه بشهادة العقول و تلقته الطباع السلیمة بالقبول''[۳]

(عرف وہ ہے جس پر لوگ عقلی دلائل کی بنیاد پر برقرار ہوں اور طبع سلیم اس کو قبول کر لے۔)

اس کے علاوہ قرآن وحدیث اور علمائے اصول کے ہاں بھی اس کی بڑی اہمیت وارد ہوئی ہے۔

قرآن کریم میں معروف کا لفظ کئی معانی میں استعمال ہوا ہے بعض جگہ شرعی قاعدہ، بعض جگہ اچھائی اور بھلائی کے کام اور بعض جگہ دستور کے معنوں میں مستعمل ہے۔

سورۃ النساء کی آیت ''وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ''[۴] کے تحت امام فخر الدین رازی (م ۶۰۴ھ) لکھتے ہیں:

''وهذا انما یطلق فیما کان مبنیا علی الاجتهاد وغالب الظن فی المعتاد والمتعارف''[۵]

(یعنی معروف کا اطلاق اجتہاد پر مبنی ہو گا اور مروّجہ اور متعارف چیزوں میں غالب گمان پر ہو گا۔)

ذخیرہ احادیث میں عرف کے استدلال میں عبداللہ بن مسعودؓ (م ۳۲ھ) کا قول پیش کیا جاتا ہے جو موقوف حدیث کے درجہ میں ہے:

''ما رآہ المؤمن حسنا فهو عندالله حسن[۶] وما رآہ المؤمنون قبیحًا فهو عندالله قبیح''[۷]

(یعنی جس فعل کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہے اور جس عمل کو مومن بُرا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُرا ہے۔)

امام بخاریؒ (م ۲۰۶ھ) نے عرف کے متعلق ایک باب قائم کیا ہے

''باب من اجری امر الامصار علی ما یتعارفون بینھم فی البیوع''(۸)

اور استدلال میں قرآنی آیت:

''وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ''(۹)

کو پیش کیا ہے۔ اسی طرح امام بخاری کی روایت ہے کہ عمر بن الخطاب (م ۲۳ھ) کے دور خلافت میں قاضی شریح (م ۸۷ھ) نے سوت کاتنے والوں سے فرمایا:

''سنتکم بینکم''(۱۰)

(یعنی تمہارا دستور و طریقہ تمہارے اندر باقی رکھا جائے گا۔)

جہاں تک فقہائے کرام کا عرف کی شرعی حیثیت جاننے کیلئے ان کے اقوال و نظریات کی طرف رجوع کی بات ہے تو یہ بات حتمی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ علمائے اصول نے ان ہی دلائل کی روشنی میں عرف و رواج کو معتبر مانا ہے اور تمام فقہائے کرام نے اپنی تصانیف میں عرف کی استنادی حیثیت کو تسلیم کیا ہے اور اس سے استدلال کیا ہے فقہائے حنفیہ نے بیشتر مسائل میں عرف کی حیثیت کو تسلیم کیا ہے جس زمانے میں امام محمد بن حسن شیبانی فقہ حنفی کے وہ ابواب مرتب کر رہے تھے جن کا تعلق معاملات سے ہے وہ تو بازار میں جا کر بیٹھا کرتے تھے دوکانداروں کو کاروبار کرتے دیکھا کرتے تھے خریداروں کے انداز خریداری کا مطالعہ کرتے تھے وہ جاننا چاہتے تھے کہ کاروبار اور تجارت کی کون کونسی شکلیں کوفہ و بغداد کے بازاروں میں رائج ہیں ہم کہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے میں بزنس ایڈمنسٹریشن کا علم حاصل کر رہے تھے بزنس ایڈمنسٹریشن کا علم حاصل کرنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ یہ معلوم کریں ان کے زمانے، ان کے علاقے، ان کی قوم میں معیشت و تجارت کی کتنی شکلیں رائج ہیں جن کے ذریعہ لوگ آپس میں لین دین کر رہے ہیں تا کہ ان صورتوں کے جائز و ناجائز ہونے کے بارے میں وہ قرآن و سنت کے احکام کی روشنی میں کوئی فتوی دے سکیں۔

چنانچہ بہت سے متقدمین فقہاء نے اپنی تصانیف میں صراحت کے ساتھ عرف کی حجیت ہونے کو بیان کیا ہے مثال کے طور پر احناف میں امام سرخسی فرماتے ہیں:

''الثابت بالعرف کالثابت بالنص''(۱۱)

(جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ نص سے ثابت کی مثل ہے۔)

فقہائے مالکیہ احناف کے مقابلہ میں عرف کو زیادہ قوی سمجھتے ہیں اور ان سے بیشتر مسائل کا استنباط کرتے رہتے ہیں فقہائے مالکیہ میں سے ابن العربی، قرافی، المقری، ابن لب، شاطبی، اور نشرینی وغیرہ نے اپنی کتابوں میں عرف کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس سے استدلال اور ماخذ ہونے کی صراحت کی ہے۔

فقہائے شافعیہ نے بھی دیگر غیر منصوص مسائل میں عرف سے استدلال کیا ہے ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ

''ان الحکم بین المسلمین فی معاملاتھم واخذھم واعطا ئھم علی العرف المشتمل بینھم''(۱۲)

(مسلمانوں کے معاملات اور لین دین کے احکام عرف پر ہوں گے۔)

حنابلہ کی فقہی کتابوں میں بہت سے مسائل کا استنباط اور مدار عرف کو بتایا گیا ہے:

علامہ ابن قیم حنبلی اس موضوع پر اپنی کتاب ''اعلام الموقعین عن رب العالمین''میں ایک با قاعدہ فصل لائے ہیں۔

اس بحث سے یہ پتہ چلا کہ چاروں مکاتب فقہ کے ائمہ و علماء ''عرف'' کی حجیت کے قائل ہیں فقہ حنفی میں امام سرخسی، علامہ ابن ہمام، علامہ ابن نجیم مصری، اور علامہ ابن عابدین شامی کی تصریحات دیکھی جاسکتی ہیں۔ فقہ مالکی میں علامہ ابن قرافی اور فقہ حنبلی میں شیخ الاسلام ابن قدامہ حنبلی، فقہ شافعی میں شیخ الاسلام حافظ عزالدین ابن عبد السلام اور محقق ابو اسحاق شاطبی کی تحریریں اس پر شاہد ہیں البتہ فقہائے احناف کے یہاں اس پر زیادہ بحثیں ملتی ہیں بلکہ یوں کہا جائے کہ حنفیہ کے یہاں ''عرف وعادت'' نہ صرف یہ کہ ایک فقہی قاعدہ ہے بلکہ وہ احکام کا ماخذ اور سرچشمہ ہے۔

عرف و رواج تقریباً تمام فقہاء کے ہاں مستند ہے لیکن اس کے لیے فقہاء نے چند شرائط بھی وضع کی ہیں۔ڈاکٹر صبحی محمصانی نے تقریباً پانچ شرائط ذکر کی ہیں جن میں اہم یہ ہے کہ وہ عرف قابل قبول ہے جو غالب ہو اور عام قبولیت اسے حاصل ہو اور سب سے اہم یہ ہے کہ یہ عرف نصوص شرعیہ سے متصادم نہ ہو۔(۱۳)

عرف کے حوالے سے اہم بات یہ بھی ہے کہ ہر زمانے کے اپنے مخصوص حالات اور ضروریات ہوتی ہیں اور ان ہی ضروریات کو مدِ نظر رکھ کر کسی رواج کو اپنایا جاتا ہے بالفاظ دیگر ایک ہی وقت میں مختلف علاقوں کے اندر عرف مختلف ہو سکتے ہیں اسی طرح زمانے کی تبدیلی کے ساتھ عرف کے اندر بھی تبدیلی لائی جاتی ہے۔

عرف کی مثالوں کا احاطہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تغیر زمان اور اختلاف عصر پر مبنی ہوتا ہے اسلامی معیشت میں بیوعات کے اندر عرف کو معتبر مانا گیا ہے اور اسی پر فتوے دیئے گئے ہیں۔ذیل میں چند معاشی مسائل جن میں عرف کا اطلاق پایا جاتا ہے ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔

اشیاء کی خرید و فروخت کے حوالے سے تاجروں کے رواج اور عادتوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ عادات و رواج احکام شریعت سے متصادم نہ ہوں۔ تجارت اور بیوع کے حوالے سے چند ایک ضروری بنیادی تصورات کے حوالے سے عرف کے استعمال کا ذکر حسبِ ذیل ہے۔

خرید و فروخت میں عرف کا استعمال

عقد بیع معاشی مسائل میں سب سے اہم معاملہ ہے۔ تمام معاہدات میں یہ سب سے پہلے آتا ہے۔ یہ کتب فقہ کے وسیع باب پر مشتمل ہوتا ہے اور انسانوں کی عملی زندگی میں اس عقد کی اہمیت بہت گہری ہے۔ فقہاء معاملات کے ابواب کی ابتداء اسی عقد کی بحث سے کرتے ہیں اور وہ تمام متعلقہ قواعد، صیغہ جات، باہمی رضا، حقیقتِ مال اور شرائطِ بیع کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

عقدِ بیع میں عرف و عادت کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔ عقد بیع میں تعریفات، قواعد، صیغہ جات، شرائط وغیرہ ہر ایک میں عرف وعادت کا استعمال و اطلاق نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر عقد بیع کے انعقاد کے لئے صیغہ جات کا مناسب ہونا ضروری ہے۔ اس بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں:

۱۔ ایک قول یہ ہے کہ بیع سوائے مخصوص الفاظ کے منعقد نہیں ہوتی۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بیع ہر اُس طریقے اور الفاظ سے منعقد ہو جاتی ہے جسے لوگ عرف میں بیع ہی خیال کرتے ہوں کیونکہ شریعت میں بیع کا لفظ مطلق ہی استعمال ہوا ہے اور اختلاف کی صورت میں عرف سے رجوع کیا جائے گا۔

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ اہل مدینہ بیع میں عرف کو ہی معتبر مانتے تھے۔ اُن کے نزدیک وہی بیع تھی جسے لوگ بیع خیال کرتے تھے اور جسے لوگ اجارہ کہتے وہ اجارہ ہی تھا اور جسے وہ ہبہ خیال کرتے وہ ہبہ ہی ہوتا تھا۔(۱۴)

اسی طرح جب کسی شخص نے کسی دوسرے سے کوئی گھر خریدا تو عرف کے مطابق اس سودے میں گھر کی بنیادیں اور درخت وغیرہ بھی شامل ہوں گے۔ امام عزالدین بن عبد السلام لکھتے ہیں:

> ''وإن لم يصرح بذلک للعرف الجاری بین الناس فی أن مثل ہذہ الأشياء تدخل فی عقد البیع تبعاً للدار''(۱۵)
>
> (اگرچہ مکان کی خرید و فروخت میں اس بات کی تصریح نہ بھی کی گئی ہو پھر بھی یہ چیزیں مکان کے سودے میں شامل ہوں گی کیونکہ معاملات میں لوگوں میں ایسا ہی عرف پایا جاتا ہے۔)

کسی عقد بیع کے درست ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ فریقین نے ایجاب و قبول کیا ہو اس کے لئے دونوں کے درمیان عقد بیع کے لئے باہمی رضامندی ضروری ہے۔ نیز ایجاب و قبول کے درمیان مناسب وقفہ ہونا چاہئے اور مناسب وقفہ وہ ہوگا جو لوگوں کے عرف کے مطابق ہو اگر یہ وقفہ عرف و عادت کے مطابق ہے تو عقد بیع منعقد ہو جائے گا ورنہ نہیں۔(۱۶)

اگر خریدار نے کہا کہ میں یہ چیز تم سے خریدتا ہوں اور فروخت کنندہ نے کہا کہ تمہیں بہت مبارک ہو تو یہ بیع بوجہ ایجاب و قبول کے عرفاً درست ہونے کے درست ہو گی۔

مجلس واحدہ کا تصور اور عرف

بیع میں مجلسِ واحدہ کا تصور بنیادی اہمیت کا حامل ہے کہ جس مجلس میں ایجاب ہو گا اسی میں قبول کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر یہ چیز نہ پائی جائے تو بائع چیز دینے کا پابند نہیں ہوتا آج کے دور میں ذرائع ابلاغ کی ترقی کی وجہ سے مجلسِ واحدہ کا تصور بہت وسیع ہو چکا ہے اور عادۃً لوگوں نے اس کو اپنالیا ہے اور تاجر حضرات دور دراز بیٹھے ٹیلی فون اور انٹر نیٹ پر ایجاب و قبول کر لیتے ہیں۔ اس سے ان کے دونوں طرف سے آنے جانے کے اخراجات بچ جاتے ہیں جو کہ یقیناً پارٹیوں کے لئے سہولت اور فائدہ مند ہے اور انہی منافعوں کے حصول کے لئے تجارت کی جاتی ہے۔ اگرچہ یہاں حقیقی اور جسمانی طور پر ایک مجلس تو نہیں پائی جاتی مگر حکمی طور پر ایک ہی مجلس ہوتی ہے اور اسی ایک وقت کی کال میں ایجاب اور قبول مکمل ہو جاتا ہے لہٰذا عرف کے مطابق یہ بیع درست قرار پائے گی۔

مجلس واحدہ کی عرفی صورتیں

۱۔ اگر کسی نے کتابیں خریدنی ہیں تو وہ پبلشر کو فون کر کے کتب لکھوا دیتا ہے اور یہ دوکاندار کتابیں بیلٹی کروا دیتا ہے اور گاہک اس کے اکاؤنٹ میں ثمن ٹرانسفر کر دیتا ہے تو یہ جائز ہے۔

۲۔ ہوم ڈیلیوری کی صورت بھی اسی میں آئے گی جیسا کہ اکثر دوکاندار (pizza hut) وغیرہ میں یہ سہولت ہوتی ہے ان کو فون کر کے چیز گھر منگوالیں اور پیسے اس لڑکے کو دے دیں۔

۳۔ اجناس وغیرہ جو بیچتے ہیں جیسے گنا شوگر ملوں کو اور مکئی ملز کو بھیجی جاتی ہے تو زمیندار گھر بیٹھ کر ملوں کے نمائندگان سے رابطہ کرتے ہیں پھر یہ اشیاء ملز میں پہنچا کے اپنا ثمن وصول کر لیتے ہیں۔

قیمت کی ادائیگی اور عرف

بیع کی تکمیل کی ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ قیمت ایجاب و قبول کے ساتھ ہی متعین کر کے ادائیگی کر دی جائے جبکہ آج کے دور میں اس نقد ادائیگی کی بجائے چیک، ڈرافٹ، پرائز بانڈز اور شیئرز دے دیئے جاتے ہیں جو کہ عرف میں ثمن کے بدل کے طور پر تسلیم کئے جاتے ہیں اور ان کے وصول کرنے پر کمپنیوں کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا اور ان تمام صورتوں میں بائع کو ثمن کی ادائیگی یقینی طور پر ہو جاتی ہے۔ ایسی ادائیگیوں میں اگر کسی قسم کی کوئی کمی پائی جائے تو بائع کو قانونی طور پر تحفظ حاصل ہوتا ہے کہ وہ ایسے مشتری کے خلاف دھوکہ دہی کا مقدمہ دائر کر کے اسے قانون کے حوالے بھی کرے اور اپنی رقم بھی حاصل کرے۔

ثمن کی ادائیگی میں ثمن پر بائع کا قبضہ بیع کی تکمیل کے لئے ضروری ہوتا ہے آج کل ایسے قبضہ کی بجائے معنوی قبضہ عادتاً تسلیم کیا جاتا ہے بلکہ اس کو زیادہ بہتر اور محفوظ سمجھا جاتا ہے اور وہ یہ کہ خریدار بائع کے اکائونٹ میں پیسے جمع کروا دیتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں بوگس کرنسی اور ڈاکہ زنی جیسے خدشات سے بھی بائع محفوظ ہو جاتا ہے لہٰذا ثمن کے قبضہ کے باب میں عرف کے مطابق ادائیگی کا یہ طریقہ شریعت کے مقصد کو بدرجۂ اتم پورا کرتا ہے۔ اس طرح مقررہ مدت کے اندر کریڈٹ کارڈ کا استعمال کرتے ہوئے (کہ اس میں سود کا عمل دخل نہیں ہے) مشتری بائع کو ادائیگی کر سکتا ہے اس میں ثمن کی وصولی بھی ہر طرح کے خدشات سے محفوظ ہوتی ہے اور بین الاقوامی اعتبار سے قیمت کی ادائیگی کا یہی طریقہ معروف و مقبول ہے۔

اجارہ میں عرف کا اطلاق

کسی عوض کے مقابل کسی چیز کے منافع کو فروخت کرنے کے عقد کو اجارہ کہا جاتا ہے۔ تمام ادوار کے اہل علم و فقہاء اجارہ کے جواز کے قائل رہے ہیں کیونکہ ہر کسی کے لئے ممکن نہیں کہ وہ ہر چیز کا مالک ہو مثلاً ہر کسی کے پاس مکان نہیں ہوتا نہ ہی ہر کسی کے پاس اپنی سواری ہوتی ہے لہٰذا لوگوں کی سہولت اِس میں ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اشیاء کو اجارہ پر حاصل کریں۔ اجارہ بیع کی اقسام میں سے ہی ایک قسم ہے جسے بیع المنافع بھی کہا جاتا ہے۔

عقدِ اجارہ کے انعقاد کے الفاظ کا اعتبار عرف پر مبنی ہے۔ جس طریقہ اور جن الفاظ کے ساتھ لوگ عقد اجارہ کرتے ہوں وہی معتبر ہو گا۔ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

''فأی لفظ من الألفاظ عرف به المتعاقدان مقصودهما انعقد به العقد''(۱۷)

(یعنی کوئی بھی ایسا لفظ جس کا مقصود فریقین سمجھتے ہوں اس سے عقد منعقد ہو جائے گا۔)

اجارہ کسی بھی ایسے لفظ سے منعقد ہو جائے گا جو اجارہ کے لئے مستعمل ہوتا ہو اور عاقدین کی لغت میں واضح ہو اور اُن کے عرف کے مطابق ہو۔ اِس بات کی وضاحت عادل بن عبد القادر نے اِس طرح سے آسان الفاظ میں کر دی ہے:

''إن الإجارة تنعقد بكل ما يدّل على الرضا عرفا بين العاقدين و يكون واضح الدلالة عليها. وما عده الناس إجارة فهو إجارة''(۱۸)

(بے شک اجارہ ہر اُس لفظ سے منعقد ہو جاتا ہے جو معاہدہ کرنے والوں کے عرف کے مطابق رضامندی کو ظاہر کرے اور اُس کی دلالت واضح ہو اور لوگ اُسے اجارہ ہی قرار دیتے ہوں۔)

اجارہ کی عرفی صورتیں

۱۔ اگر کوئی شخص حجام کی دکان میں داخل ہو اور وہاں بیٹھ کر اُس نے اپنا سر اُس کی جانب اِس غرض سے جھکا دیا کہ حجام اُس کی حجامت کرے تو یہ عمل اُن کی رضامندی پر دلالت کرتا ہے چنانچہ اِس پر عرف کے مطابق اُجرت واجب ہو گی۔

۲۔ اِسی طرح اگر کسی نے درزی یا دھوبی کو کپڑا دیا اور اُنھوں نے اُس پر اپنے پیشے کے مطابق عمل کر دیا تو وہ عرف کے مطابق اُجرت کے مستحق ہوں گے کیونکہ ایسی صورت میں عرف جاری واقع ہوا ہے جو کہ عرفِ قولی کا قائم مقام ہے۔

اِس ضمن میں یہ بات بھی یاد رہے کہ اجارہ میں منافع کا تعین دو باتوں سے ہوتا ہے ایک عرف اور دوسرا وصف مثلاً:

۳۔ اگر کسی نے کوئی مکان کرایہ پر لیا تو اُس سے وہ منافع حاصل کرے گا جو عرف کے مطابق ہو۔

۴۔ اِسی طرح اگر کسی نے کوئی خادم کرایہ پر حاصل کیا تو اُس سے وہی خدمت لے گا جو عرف کے مطابق ہو۔

۵۔ اگر کوئی سواری کرایہ پر لی تو اُس پر وہی بوجھ لادے گا جو اُس سواری کے وصف اور لوگوں کے عرف کے مطابق ہو۔

۶۔ عقدِ اجارہ کی مدت میں بھی لوگوں کے عرف کا اطلاق پایا جاتا ہے مثلاً اگر زمین کے اجارہ کی مدت سو سال رکھی تو عرف کے مطابق درست ہو گا اور گاڑی کے اجارہ کی مدت پچاس سال رکھی تو درست نہ ہو گا۔

۷۔ اِسی طرح عرف کا اطلاق خادم کے اوقاتِ کار، اُس کی اُجرت، کھانا، آرام، قضائے حاجات میں بھی ہو گا حقیقت یہ ہے کہ عقود میں عرف کا اعتبار و اطلاق بہت بڑی بنیاد ہے۔

جیسا کہ اِس بارے میں عبد الرحمن السعدی نے رائے دی ہے:

''والعرف أصل كبير، يرجع إليه فى كثير من الشروط والحقوق لم تتقدر شرعاً ولا لفظاً''[19]

(یعنی (عقود میں) عرف بہت بڑی بنیاد ہے۔ بہت سے ایسے شروط اور حقوق جو شرعی و لفظی اعتبار سے متعین نہ ہوں، عرف کی طرف لوٹتے ہیں۔)

امام ابن تیمیہؒ بھی یہی رائے رکھتے ہیں کہ عقود میں جب کبھی بھی کوئی اختلاف وغیرہ ہو یا حقوق و شرائط کا مسئلہ ہو تو عرف ہی اصل بنیاد ٹھہرتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''العقد المطلق يحمل على عرف الناس و عاداتهم''[20]

(یعنی مطلق عقد کا دار و مدار لوگوں کے عرف اور اُن کی عادات پر ہوتا ہے۔)

عقدِ اجارہ میں جن اشیاء کا منافع حاصل کیا گیا ہو ضروری ہے کہ اُس منافع کو معروف طریقے سے حاصل کیا جائے، اس کے لئے امام ابن قدامہؒ نے یہ اصول لکھا ہے:

''للمستأجر استیفاء المنفعة المعتادة فی الشیء المؤجر''[۲۱]

(مستاجر کے لئے اُجرت پر لی گئی شیء کا منافع عرف کے مطابق حاصل کرنا ہے۔)

۸۔ اگر کسی نے رہائش کے لئے کوئی مکان اجارہ پر لیا تو اُس کے لئے اُس مکان کا استعمال عرف و عادت کے مطابق جائز ہے وہ اُس کا وہی استعمال کرے گا جو لوگ عام طور پر اِس طرح کی صورت میں کرتے ہیں۔ وہ اُس مکان میں ایسی چیزیں نہیں رکھے گا جو عام طور پر لوگوں کے عرف کے مطابق نہ ہوں۔

۹۔ مبیع کی قیمت اور اجیر کی صراحت نہ کی گئی ہو تو اس کے بارے میں فیصلہ بھی "عرف" کو سامنے رکھ کر ہی کیا جائے گا۔

۱۰۔ کرایہ پر لی ہوئی چیز سے کس درجہ انتفاع کی مستاجر کو اجازت ہے اور اجرت پر لی ہوئی چیز کے استعمال سے تلف ہو جانے کی صورت میں کب تعدی شمار کی جائے گی اور اسے نقصان کی تلافی کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا اس کا فیصلہ بھی عرف و عادت کی روشنی میں کیا جائے گا۔

شروط فاسدہ پر خرید و فروخت

بعض شروط فاسدہ تو ایسی ہیں جن کی حرمت، نصوص سے ثابت ہے۔ لیکن بعض شروط اگرچہ فاسد ہوں لیکن عرف عام کی وجہ سے ان کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔

عرفی صورتیں

۱۔ مثلاً اگر کسی دکاندار سے اس شرط پر سامان خریدا کہ وہ اس کو اس کے گھر تک بھی لے جائے گا تو ظاہری طور پر یہ شرط فاسد ہے اور بیع فاسد میں داخل ہے کیونکہ مشتری نے ثمن کو سامان اور عمل دونوں کے لیے عوض بنا دیا جو کہ ''صفقتیں فی صفقة''[۲۲] ہو گیا کہ حدیث کی رو سے منع ہے۔ ''نھی رسول اللّٰہ ﷺ عن بیعتین فی بیعة''[۲۳] کیونکہ ثمن تو سامان کا عوض ہو گیا اور عمل کے لیے الگ اجارہ ہونا چاہیے تھا لیکن یہاں ایک ہی ثمن کے بدلے مبیع اور اجارہ دونوں آ گئے،

عالمگیری میں فتاویٰ ظہیریہ سے ہے:

''لو اشتری کرباسا بشرط القطع والخیاطة لایجوز لعدم العرف''[۲۴]

(اگر نیا کپڑا کٹائی اور سلائی کی شرط پر خریدا تو عرف نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہ ہو گا۔)

احمد رضا خان لکھتے ہیں:

''بیع نعل اس شرط پر کہ دوسری اس کے ساتھ کی بنادے اس میں تسمہ لگادے، جوتے کی بیع بشرطیکہ جوتا سی دے، کھڑاوں کی بیع میں پھٹے دینے کی شرط، ٹوپی اس شرط سے بیچے کہ استر اپنے پاس سے لگائے، پھٹے پرانے موزے یا کپڑے کی بیع میں پیوند کی شرط، کھال اس شرط پر بیچے کہ اس کا موزہ بنادے، آٹے سے آٹا کو تول کے بیچنا نہ کہ ناپ سے، تول پر آٹا قرض لینا، روٹیوں کی بیع سلم گنتی سے، روٹیوں کو گن کر قرض لینا اموال ستہ ربویہ میں کیل وزن کا عرف بدلنے پر امام ابو یوسف کا اعتبار فرمانا۔'' (۲۵)

۲۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کپڑے والے دکاندار سے اس شرط پر کپڑا خریدے کہ بائع اس کو سی کر دے گا تو یہ بھی ظاہراً بیع فاسد ہے کیونکہ ایک ہی بیع میں دو کام شامل ہوئے لیکن مسائل کو تعامل الناس اور عرف کی وجہ سے جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

۳۔ اسی طرح ہمارے ہاں یہ معروف ہے کہ سیب یا دوسرے پھلوں اور سبزیوں کو لکڑی کی پیٹیوں یا بوریوں کے ساتھ ہی فروخت کیا جاتا ہے جو کہ بیع فاسد ہے لیکن عرفاً اسے بھی جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

رخصت استقدام کی بیع

یعنی ایک شخص اپنی کمپنی کے لیے بیرون ملک سے کاریگر بلوانے کے لیے اپنی حکومت سے اجازت نامہ حاصل کر لے۔ اس اجازت نامے (سپانسر) کو رخصت استقدام کہتے ہیں، اس اجازت نامے سے عرف کی وجہ سے خود استفادہ کرنا جائز ہے لیکن اس کو آگے بیچنا منع ہے کیونکہ قانونی طور پر منع ہے اور یہ کوئی مال نہیں اور مبیع نہیں بن سکتا اسی لیے یہ بیع درست نہیں۔

معاشیات کا شعبہ اس اعتبار سے بھی بہت زیادہ قابل التفات ہے کہ اس پر زمانہ کے اثرات سب سے زیادہ مرتب ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے عصر حاضر کو ماضی کے مقابلے میں سب سے زیادہ تبدیلی کا زمانہ قرار دیا جائے تو یہ مبالغہ نہیں ہو گا۔ انٹرنیٹ اور جدید ٹیکنالوجی کے عام ہو جانے سے کاروبار کرنے کے نت نئے طریقے رائج ہو چکے ہیں، لوگ گھر بیٹھے خرید و فروخت کے معاملات انجام دے رہے ہیں، لہٰذا مالیات کے شعبے میں اس اختراع سے جہاں بہت ساری سہولتیں میسر آئی ہیں تو دوسری جانب شرعی نقطۂ نگاہ سے کئی سوالات بھی جنم لے چکے ہیں کہ ان جدید معاملات کا شرعی حکم کیا ہے۔ آیا یہ حلال ہیں یا حرام وغیرہ؟

فقہاء کی اس روایت (معاشی تعلیمات کو اسلام کے اصولوں کی روشنی میں مرتب کرنا) کو برقرار رکھتے ہوئے بعد میں آنے والے فقہاء و علماء نے اپنے دور کے معاشی مسائل کا شرعی حل عرف کی روشنی میں پیش کیا ان جدید معاشی مسائل کا شرعی حل معلوم کرنے کے لیے ایک بہترین علمی ذخیرہ علماء متقدمین و متاخرین کے جاری کردہ فتاویٰ جات کی صورت میں موجود ہے۔ ان فتاویٰ جات میں ایسے اصول و ضوابط بیان کر دیئے گئے ہیں جن کی

روشنی میں جدید عرفی مسائل کا حل بہت سہل ہو جاتا ہے۔ ان میں فتاویٰ شامی، فتاویٰ قاضی خان، فتاویٰ عالمگیری، مجلۃ الاحکام العدلیہ اور فتاویٰ رضویہ اپنی وسعت اور سائنٹیفک ہونے کی وجہ سے بہت اہم ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی میں مولانا احمد رضا خاں نے معاشیات پر اپنی تحقیقات جامع اور مدلل انداز میں بیان کیں بیسوی صدی میں ڈاکٹر وحبۃ الزحیلی، ابو زھرہ مصری، نظام لدین رضوی، یوسف قرضاوی، جیسے فقہاء نے معاشیات پر قابل قدر تحقیقات پیش کی ہیں اور عرف وزمانہ کی رعایت کرتے ہوئے مسائل کا حل بیان کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمصانی، ڈاکٹر صبحی، فلسفہ تشریع فی الاسلام، بیروت: دار العلم،، ص:۲۹۷

۲۔ ابن عابدین، محمد امین الشہیر بابن عابدین، شرح عقود رسم المفتی، کراچی: دار العلوم، ۱۴۱۹ھ، ص:۹۸

۳۔ جرجانی، علی بن احمد بن محمد، کتاب التعریفات، بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۴۲۳ھ، ص:۱۳۰

۴۔ النساء ۴: ۲۵

۵۔ رازی، امام فخر الدین محمد بن عمر بن حسین، تفسیر کبیر، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ، ۷/ ۶۲

۶۔ بغوی، حسین بن مسعود، شرح السنۃ، بیروت: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ، ۱/ ۲۱۴

۷ امام، احمد بن حنبل، مسند امام احمد، بیروت: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ، ۱/ ۳۷۹

۸۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۹ھ، کتاب البیوع، باب من اجری الامر الامصار علی مایتعارفون بینھم فی البیوع، رقم الحدیث: ۲۲۱۰

۹۔ النساء ۴: ۶

۱۰۔ عینی، امام بدر الدین، عینی شرح صحیح بخاری، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ، ۱۲/ ۱۲

۱۱۔ سرخسی، محمد بن احمد بن ابی سھل، المبسوط، بیروت، دار المعرفۃ ۱۴۱۴ھ، کتاب الحیل، باب الوکالۃ، ۳۰/ ۲۲۰

۱۲۔ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر (م ۳۱۰ھ)، تھذیب الآثار، القاہرہ: مطبعۃ مدنی ۱۹۸۳ء، ص:۲۵

۱۳۔ محمصانی، ڈاکٹر صبحی، فلسفہ تشریع فی الاسلام، ص:۳۰۳

۱۴۔ ابن تیمیہ، ابو العباس احمد بن عبد الحلیم، مجموع الفتاویٰ، مجمع الملک فھد لطباعۃ المصحف شریف المدینۃ النبویہ، ۱۴۱۶ھ، الاولیٰ، باب سئل عن الکتب النبی تذکر المسائل روایتین، ۲۰/ ۲۳۰

۱۵۔ عزالدین، عبد العزیز بن عبد السلام، قواعد الاحکام فی مصالح الانام، قاہرہ: کلیات الازھریہ، ۱۴۱۴ھ، ۲/ ۱۱۴

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، فصل فیمن قالو:الاجارۃ علی خلاف القیاس، ۲۰ /۵۳۳

۱۸۔ عادل بن عبد القادر، العرف حجیتہ واثرہ فی الفقہ المعاملات المالیہ، بیروت:موٴسستہ الرسالہ، ۱۴۱۵ھ، ۲/ ۵۶۳

۱۹۔ سعدی، الشیخ عبد الرحمن، المختارات الجلیہ، بیروت:موٴسستہ الرسالہ، ۱۴۱۵ھ، ص:۵۵

۲۰۔ ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۲۹ /۳۶۰

۲۱۔ ابن قدامہ، ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن احمد، المغنی، بیروت:موٴسستہ الرسالہ، الثانیہ، ۱۴۰۱ھ، ۵ /۶۸

۲۲۔ یعنی ایک عقد بیع میں دو عقود بیع

۲۳۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۹ھ، ۳/ ۵۳۳

۲۴۔ عالمگیر، نظام الدین، فتاویٰ ہندیہ، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۵ھ، کتاب البیوع الباب العاشر، ۳/ ۱۳۴

۲۵۔ بریلوی، احمد رضا فتاوی رضویہ، لاہور: رضا فاونڈیشن، ۲۰۰۵، ۱۹/ ۸۲